درودیوار توڑ جمہوریت

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

02-23-2013

صدارتی اعلان کے مطابق آئندہ انتخابات 11 مئی 2013ء کو ہوں گے۔ اس اعلان سے پہلے یہ طے ہو چکا ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ایک ہی دن ہوں گے۔ قومی اور صوبائی اسمبلیاں تحلیل ہو چکی ہیں جب کہ نگران وزیراعظم کے نام پر تادمِ تحریر اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن سب سے زیادہ اس بات کا امکان ہے کہ نگران وزیراعظم کے لیے ایسے شخص پر ہی اتفاق ہوگا جو عالمی مالیاتی اداروں کا ''قرب'' رکھتا ہو کیوں کہ پاکستان عالمی مالیاتی اداروں کے لیے ایک منافع بخش ریاست ہے جو قرضوں کے سبب ان کی کمائی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ عالمی مالیاتی اداروں کی قرضوں کی شکل میں ایک بڑی سرمایہ کاری ہے اور وہ کبھی بھی ایسا خطرہ مول لینا نہیں چاہتے کہ جہاں ان کی قرضوں کی شکل میں یہ سرمایہ کاری خطرے سے دوچار ہو سکے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں 1977ء کے بعد فوجی یا سول حکومتوں میں بھی ایسے اشخاص کو ہی وزارتِ خزانہ تفویض کی گئی جو ان عالمی مالیاتی اداروں سے ''قرب'' رکھنے کا اعزاز رکھتا ہو۔ امکان ہے کہ نگران وزیراعظم جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات تک طے کر لیا جائے گا، بصورتِ دیگر یہ فریضہ الیکشن کمیشن کو منتقل ہو جائے گا۔ انتخابی دنگل کی تیاریاں اپنے عروج پر ہیں۔ سیاسی جماعتیں جہاں انتخابی ٹکٹوں کی درخواستیں وصول کر رہی ہیں وہیں پر انہوں نے سیاسی جلسوں کا بھی آغاز کر دیا ہے، جس میں پاکستان تحریک انصاف اور مسلم لیگ (ن) نمایاں ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی عوامی رابطے میں کمزور نظر آ رہی ہے، لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلم لیگ (ن) نے انتخابات میں اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اپنے تمام دروازے کھول دیئے ہیں اور وہ مسلم لیگ (ن) جو پانچ چھے سال قبل اصول پرستی کا ڈھنڈورا پیٹتی تھی اب انتخاب پرستی کا شکار ہو چکی ہے۔ یعنی انتخاب جیتو جو چاہے آئے۔ مسلم لیگ (ن) کی قیادت نے تاریخ سے یہ بھی سبق سیکھ لیا ہے کہ ''اقتدار حاصل کرو چاہے، اس کے لیے پارٹی کے دروازے ہی نہیں اپنی دیواریں بھی گرانی پڑیں۔'' اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ کیسے کیسے لوگ مسلم لیگ (ن) کی ''شان میں اضافہ'' کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کو نہ لینے کی قسمیں کھائی جاتی تھیں اب وہ پارٹی کے اندر داخل ہو رہے ہیں اور باقی رہ جانے والے بھی ''جلد آ رہے ہیں''۔

اقتدار کا کھیل ہی نرالا ہے، جو تاریخ کو مقدس دستاویز بنا کر اپنے ہیرو طے کرتے ہیں وہ یہ قبول کرنے کے لیے رضامند نہیں ہوتے کہ ان کے ہیروز نے اقتدار کے لیے کہاں اصول قربان کیے اور کہاں اپنے والد، بھائیوں اور خاندان کو قربان کر دیا۔ خاندانی اور ذاتی اقتدار کی سیاست، بڑی بے رحم ہوتی ہے، اس میں اصول بھی قربان ہوتے ہیں اور اہلِ کاروانِ جدوجہد بھی۔ یہ عمل پاکستان تحریک انصاف میں بھی جاری و ساری ہے۔ اسی لیے تو اخباروں اور میڈیا میں دونوں جماعتیں نمایاں ہیں کہ ان سرگرمیوں میں غلام گردشوں کے مالکوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ قبلہ عمران خان کو 30 اکتوبر 2011ء کو ایک نیا عوامی مینڈیٹ ملا اور انہوں نے بھی اس مینڈیٹ میں غلام گردشوں کے مالکوں کو ہراول دستے میں شامل کر دیا۔ پاکستان تحریک انصاف میں انتخابات ایک اچھا عمل ہے، لیکن یہ کتنا اچھا ہے اس پر کسی نے گفتگو نہیں کی۔ میرے ایک دوست اس بات پر بڑا اسٹپٹا رہے تھے کہ ان کی جماعت میں ایک نودولتیہ منتخب ہو کر آ گیا ہے، تو ہم نے عرض کی آپ کے ہی بقول جب وہ 30 اکتوبر کے جلسے کے تمام اخراجات اور کروڑوں پاکستان تحریک انصاف پر سرمایہ کاری کی شکل میں لگا تا تھا، اس وقت تو آپ

کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔کھلی منڈی کی جمہوریت(Open Market Democracy) کا یہی دستور ہے، پہلے سرمایہ آتا ہے، پھر سرمایہ کار اور پھر اس سرمایہ کار کا نظریہ۔ اس لیے سیاسی جماعتوں میں جمہوریت کے قیام کے لیے انتخابات اہم ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ اہم چندہ اکٹھا کرنے کا نظام ہے۔مسلم لیگ(ن) کے بعد پاکستان تحریک انصاف بھی ان برزجمہروں کی دوسری آماج گاہ بن رہی ہے۔ یہی کھلی منڈی کی جمہوریت کی روح ہے۔جس کا سرمایہ،اسی کا نظریہ۔جس کی سیاست، اسی کا اقتدار۔

اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو ہم یہ بھی دیکھیں گے وہ شخص جو اس وقت ایوانِ زرداری میں اپنے سرمائے کے بل پر سب سے اہم ''درباری'' کے طور پر جانا جاتا ہے، اگلے دربار میں سب سے نمایاں ہوگا، کیوں کہ وہ سرمائے میں سب سے آگے ہے اور سرمائے کے یہ آقا بڑے ''ذہین'' ثابت ہوئے ہیں کیوں کہ اس نے ڈھلتے سورج کو ایک وسیع اور جدید قید خانے میں قید کرنے کے پہلے ہی انتظامات کرلیے ہیں۔ اقتدار کا یہ ''سورج ونشی'' یا اس محل میں محبوس ہوگا یا بیرون ملک،جس کا آغاز جلد ہی ہونے والا ہے۔ پھر یہ درباری جس کا دربار میں سب سے اونچا مقام ہے، اگلے دربار میں سب سے سودمند مشورے دے رہا ہوگا اور اس کا دوسرا ساتھی درباری جو فی الحال ہوا کا رخ دیکھ رہا ہے وہ اپنا وزن اس پلڑے میں ڈالے گا جو کامیاب پلڑا ہوگا۔اس کی اٹھان ایک شہر کے ناظم سے ہوئی اور ترقی کی منازل اس نے جلد ہی طے کرلیں، وہ احتیاط کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور پھر دربار کے سہ ہزاری ''اہل ثروت'' لوگ اس کے سامنے ماند پڑ جائیں گے۔

ہمارے وطن عزیز میں سرمائے کے مراکز بدل رہے ہیں، اس لیے ہمارے ''جید مفکرین'' سرمائے کی دوڑ میں جیتنے والوں کی جبلت سے آگاہ نہیں۔ چوں کہ وہ تاریخ کا مطالعہ مقدس انداز میں کرتے ہیں، جذباتیت ان پر غالب ہوتی ہے جب کہ حکمرانی اور حکمرانوں کی تاریخ بے رحم ہوتی ہے۔ اگر تاریخ سازی عوامی حقوق کے لیے کی جائے تو وہ دوسری صورت ہے کہ جہاں روایتی حکمران عوامی بے رحمی کا شکار ہوتے ہیں۔لیکن ہمارے جذباتی اور تاریخ کا مقدس تناظر میں مطالعہ کرنے والے تجزیہ نگار یہ بھول گئے کہ پاکستان میں حکمرانی کی دوڑ میں صرف حکمران طبقات ہی شامل ہیں۔حکمران اس عمل کے دوران عوام کا دل بہلانے کے لیے کھلونوں کا انتظام بھی کرتے ہیں اور ایسے منصوبے متعارف کرواتے جاتے ہیں کہ جس سے عام لوگوں کا دل بھی بہل جائے اور اقتدار بھی عوام کو منتقل نہ ہو، اگر اقتدار عوام کو منتقل ہوگیا تو پھر روایتی حکمران کہاں جائیں گے۔ اس کھیل کے لیے کھلی منڈی کی جمہوریت ایک شان دار ذریعہ ہے جہاں عام انسانوں کی سروں کی قیمت پر ''خاص انسان'' حکمرانی کرتے ہیں۔اس لیے ہم دیکھ رہے ہیں کہ ''معزز خاندانوں کے چشم وچراغ'' پارٹیاں بدل رہے ہیں کہ اب گیند کس کورٹ میں ہے۔غریب انسان کے ہاتھوں پر وہی حنا رنگ لائے گی جو پہلے دو ادوار میں اپنا رنگ دکھا چکی ہے۔ ایک حقیقی تبدیلی حکمرانی کا روایتی کھیل ختم کرنے سے ہی ممکن ہے۔ ہمارے مروّجہ نظام میں ابھی تک ووٹ سے زیادہ بڑی طاقت نوٹ کی ہے جس کا مظاہرہ جماعتوں اور ریاستی اقتدار کے اندر دونوں جگہ ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک محفل میں پاکستان کے معروف ترقی پسند رہنما جناب عابد حسن منٹو سے ایک شخص نے پوچھا، اس سارے منظرنامے میں آپ کہاں ہیں؟ منٹو صاحب نے جواب دیا ہم تو ان میں شامل ہی نہیں کیوں کہ جو زیر بحث ہیں وہ ایک جیسے ہیں، اس لیے طے یہ کرنا ہے کہ اب کسے لانا ہے۔